قرآن مجید اور ترجمہ و تفسیر

از

(جناب خواجہ محمد علی شاہ صاحب)

(۴)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو برہان اگست ۱۹۵۳ء)

قول غیر صحابی میں اولاً تابعین و تبع تابعین، پھر سلف صالحین یعنی ائمہ مجتہدین و فقہائے مفسرین کے اقوال قابل تسلیم ہونگے اور اسی ترتیب پر اُن کے مدارج و مراتب تسلیم کئے جائیں گے۔ اُن میں سے تابعین کا رتبہ تبع تابعین اور مابعد علماء سے بہت بڑھا ہوا ہے کیونکہ یہ صحابہؓ کے تعلیم یافتہ اور بیک واسطہ فیض نبوت حاصل کرنے والے ہیں لیکن اُن کے تاویلی اقوال وارشادات کو بھی اصول وقوانین کی تاویل سے تصحیح و تنقیہ کرنا پڑے گا اور دلائل و شواہد سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا حسب موقع و ضرورت کام کرنا ہوگا۔ تنقید اور تصحیح و ترجیح کا یہ کام علمائے مجتہدین اور فقہائے مفسرین کے ذمہ ہے عام اہل علم یا جمہور اہل اسلام کا یہ عہدہ اور منصب نہیں۔

اگر صحابی کی تاویل اور قرآن مجید کے متعلق کسی قول کے بارے میں دوسرے صحابی بھی متفق ہیں تو وہ تاویل قطعی اور واجب القبول ہوگی اور اگر دوسرے صحابی کی رائے مختلف ہوئی تو اُن میں سے ہر ایک کی رائے کے اتباع کا حق حاصل ہوگا جس کو چاہے اختیار اور قبول کر سکتے ہیں اس میں اپنی طرف سے ترمیم یا کم اور زیادہ کرنے کا اُمت کو کوئی حق نہیں پہونچتا۔

قواعد عربیت:- اس سے دو چیزیں مراد ہوتی ہیں (۱) زبان عرب کے اصول وقوانین (۲) کلام عرب کا اسلوب اور انداز بیان جو اُن کے طرز تخاطب، روزمرہ، محاورات، تحریر و تقریر اور نظم و نثر میں برتا جاتا ہے۔

عربی زبان کے اصول و قواعد میں علمائے ادب اور ماہرین السنہ نے چند علوم لازمی اور ضروری بتائے ہیں جن کے

بغیر عجم اور غیر عرب کو بلکہ اہل عرب کو بھی عربی زبان کی تحریر و تقریر پر وہ ملکہ راسخہ اور قدرت و مہارت حاصل نہیں ہوتی جو کسی زبان کے سیکھنے کے لئے ضروری ہے ۔

عربی زبان میں لیاقت و کمال پیدا کرنے اور اس زبان پر اہل زبان اور اہل ذوق اصحاب کی مانند قابو پانے اور مہارت تامّہ حاصل کرنے کے لئے جن اصول و قواعد کی پابندی ضروری ہے اور جن قوانین کو محفوظ اور مستحضر کر کے اس زبان کے مذاق بھی میں دخل پاکر کوئی محض بارسوخ اور ماہر بنتا ہے وہ علوم یہ ہیں ۔

لغت، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، ادب ۔ کہ ان سات علوم کے بغیر کسی کو عربی زبان آ ہی نہیں سکتی اور قرآن مجید کے فہم اور ترجمہ و تفسیر و تاویل کے لئے ان علوم سبعہ کے علاوہ ۔ قرأت و تجوید، اسباب نزول، تاریخ و قصص و اخبار، ناسخ و منسوخ، فقہ و اصول فقہ، اصول دین یعنی علم کلام و اصول کلام، حدیث و اصول حدیث، فرائض اور تصوف و اخلاق و سیاست مدن وغیرہ علوم کا جاننا بھی ضروری ہے ۔

یہ سب علوم کسبی و اکتسابی ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک علم کے بارے میں نصاب کی کتابیں مدون و مقرر ہیں اور درس و تعلیم میں داخل ہیں ۔ ان کسبی علوم کے علاوہ ایک اور علم بھی ہے جس کو علم وہبی یا علم لدنی کہتے ہیں ۔ یہ علم حق تعالیٰ کی طرف سے علم پر عمل کرنے والے کے دل میں القاء و الہام ہوتا ہے ۔ گویا یہ ایک عطیہ خداوندی اور انعام ربانی ہے جو عامل خیر اور صاحب تقویٰ عالم کو ودیعت فرمایا جاتا ہے اس کو علم موہبت بھی کہتے ہیں ۔ حدیث نبوی (مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ اَوْرَثَہٗ (یا ۔ وَرَّثَہٗ) اَللّٰہُ عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ) میں اسی علم وہبی کی طرف اشارہ ہے ۔ غرضکہ علوم کسبی کے حصول و تحصیل کے بعد بھی کتاب اللہ (اور اسی طرح سنن و احادیث و آثار) میں دخل دینے اور آیات و نصوص قرآنی یا متون حدیث کے معنے و تفسیر بیان کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں پہونچتا تاوقتیکہ کامل دیانت اور تقویٰ و طہارت قلب کے ساتھ علم پر عمل نہ کرے ۔

اکتسابی علوم میں مہارت و کمال اور ایمان و عمل صالح پر قرآن مجید کے فہم و معانی کا انکشاف ہوتا ہے اور اسی پر کلام الٰہی کی تفسیر و تشریح کا استحقاق حاصل ہوتا ہے گویا یہ علم وہبی مترتب ہوتا ہے علوم کسبی کے حصول اور عمل صالح پر ۔

قواعد عربیت سے کسبی اور وہبی دونوں قسم کے علوم مراد ہیں اور ان دونوں کے بغیر قرآن مجید کی تفسیرات

بشری سے باہر ہے۔ اور انسانی سعی سے خارج۔ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ کلام الٰہی کے معانی کی حقیقت اور قرآن مجید کے مفہوم و مراد پر ان علوم کسبی و وہبی کے بغیر اطلاع پا سکے۔

علوم کسبی تو ظاہر اور غیر محتاج دلیل ہیں کہ کیوں ان کا معلوم کرنا اور سیکھنا قرآن مجید کے فہم اور تفسیر و تاویل و ترجمہ کے لئے ضروری ہے اور اُن کے بغیر کیوں کلام الٰہی کی تفسیر نہیں کی جا سکتی اور اس کا فہم حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ علم وہبی کے تفسیر کا موقف علیہ ہونے میں بظاہر شبہ پیدا ہوتا اور تردد کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اس شبہ کو اہمیت کے ساتھ ذکر کر کے اس کا جواب دیا ہے۔

اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ علوم کسبیہ تفسیر کا مدار علیہ ہیں۔ ان کے حصول کے بغیر عجم و غیر عرب بلکہ اہل عرب کو بھی کلام اللہ کی تفسیر اور اس کے معارف و حقائق کی تشریح معلوم نہیں ہو سکتی۔ لیکن علم وہبی پر تفسیر کو موقوف کرنا یا رکھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ علم وہبی۔ انسان کے بس کی چیز نہیں۔ اس کے قدرت و اختیار سے باہر اور اس علم کا اکتساب و حصول ناممکن تو تفسیر کا (جو کہ اہم ضروریات دین سے ہے) اس علم وہبی پر توقف و انحصار کیسے۔ ایسے غیر مقدور بشر فعل پر کلام الٰہی کی تفسیر کا (جو کہ ضروریات بدیہیہ و منہیہ میں سے ہے) موقوف رکھنا کلام الٰہی کو چیستان اور معما بنا دینے کے مرادف ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں اور ہے بھی حقیقت یوں ہی کہ علوم وہبی اور معارف لدنی مقدور بشر نہیں مگر اُن کے حاصل کرنے اور پالینے کا طریقہ تو انسان کے قدرت و اختیار میں داخل، اور اس کی سعی اور کسب و اکتساب پر موقوف ہے اور ہماری مراد یہاں علم وہبی سے یہی ہے کہ عمل صالح۔ زہد و تقویٰ خشیت و ورع اور مکارم اخلاق جیسے اسباب و عوامل کا ارتکاب و اکتساب کیا جائے جس کے نتیجہ میں بطور وراثت انبیاء مبدء فیاض کی طرف سے علم لدنی اور علم وہبی کا فیضان و ورود اور کلام الٰہی کی تفسیر و تاویل اور اس کے فہم و تفقہ کے لئے نور فراست حاصل ہو۔

اور ظاہر ہے کہ علم لدنی کا فیضان اور علم وہبی کا ورود، علم پر عمل کرنے والے اور تقویٰ و عمل صالح کرنے والے انسان پر قدرت کی طرف سے فائض و وارد ہوتا ہے اور گو یہ نعمت و موہبت انسان کے اپنے قدرت و اختیار سے باہر ہے مگر اس کے ذرائع و اسباب اور وسائل و عوامل کا حصول تو ممکن اور داخل قدرت و سعی انسان ہے۔

علوم کسبیہ کے حصول کے بعد اگر تقویٰ اور عمل صالح کے ذرائع واسباب اختیار نہیں کئے گئے تو یہ صحیح کہ زبان عرب اور اسلوب عربیت سے کما حقہ آگاہی ہوگی مگر کلام الٰہی کی مراد' اس کا فہم اور اس کے ترجمہ وتفسیر میں غیبی امداد اور نور ہدایت حاصل نہ ہو سکے گا اور دین وشریعت کے نقلی وعقلی بنیادی اصول کے مطابق نئے نئے مضامین ومطالب نکالنے اور استنباط واستخراج کی توفیق نہ ہو سکے گی جس کی بنا پر مراد الٰہی کی حقانی حقیقت روشن اور واضح نہ ہو سکے گی۔

صاحب برہان سے علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے کہ ۔ معانی وحی کا فہم اور اسرار وحی کا کشف وظہور اس آدمی کو نہیں ہو سکتا جس کے دل میں

۱۔ کسی قسم کی بدعت (احداث فی الدین) کا خیال جاگزیں ہو ۔ یا

۲۔ اس میں تکبر کی بو ہو ۔ یا ۔ (۳) وہ خواہش نفس کو ترجیح دینے کا خوگر ہو ۔ یا ۔ (۴) دنیا کی محبت اس کے دل میں ہو ۔ یا ۔ (۵) وہ کسی گناہ پر مصر ہو ۔ اگرچہ وہ گناہ حقیر اور معمولی ہی درجہ کا ہو ۔ یا ۔

۶۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ وحی پر ایمان نہ رکھتا ہو ۔ یعنی سرے سے ایمان ہی نصیب نہ ہو ۔ یا اگر ہو تو کمزور درجہ کا ہو ۔ یا ۔ ۷ ۔ ایسے شخص کے قول پر عمل کرتے ہیں (الف) جس کو حقیقت میں اس کا علم ہی نہ ہو ۔ یا (ب) جو اپنی عقل پر بھروسہ کئے ہوئے ہو ۔

یہ سب امور' وحی الٰہی کے معانی واسرار اور اس کے فہم وکشف مراد اور ایضاح وانشراح کے لئے حجابات وموانع ہیں ایک دوسرے سے زیادہ سخت اور مؤکد ۔

البتہ جو شخص علوم کسبیہ کے حصول کے بعد تقویٰ اور عمل صالح اختیار کرے وہ علوم وحی کا مورد ومحل بنتا ہے ۔ اس سے یہ تمام رکاوٹیں اور حجابات وموانع دور کر دیئے جاتے ہیں اور اسی شخص پر فراست ایمانی اور انشراح صدر کے ساتھ کتاب اللہ کے اسرار اور فہم ومطالب واضح ومنشرح ہو جاتے ہیں ۔ دیوتا سے ایسے ہی لوگوں کو فہم کی توفیق ملتی اور عالم غیب سے ان ہی کی دستگیری ہوتی ہے ۔

"بحسب طاقت بشری" کی قید کا مطلب ۔

(۱) ایک تو یہ ہے کہ وہ علوم ومعارف اور حقائق وبصائر جو انسان کی طاقت سے برتر وبالا ہیں یعنی انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاص علوم اور مخصوص ادراکات جو کہ منصب نبوت ورسالت کی وجہ سے ان کو عالم الغیب والشہادۃ

کی طرف سے ملتے ہیں اور عام انسانی علوم سے نہیں بلکہ افاضل عقلائے زمانہ اور یکتائے روزگار داناؤں کے علوم سے بدرجہا بلند و برتر ہوتے ہیں اس تعریف سے نکل جائیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ وہ ادنیٰ اور کمتر درجے کے علوم جو طاقتِ بشری کی حد تک نہیں پہونچتے بلکہ ان سے کم اور بہت کم ہوتے ہیں۔ اس علم کی تعریف میں داخل نہ ہونے پائیں۔ جیسے ان لوگوں کے علوم جو عوام الناس و جہال اور عقل و دین سے بیگانہ لوگ ہیں، بنیئے بقال وغیرہ۔ چونکہ علم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ آلہی اور بشری۔ آلہی وہ علوم جن کا مبدء فیاض و علام الغیوب کی طرف سے فیضان و ورود ہوتا ہے۔ آسمانی صحیفے اور کتابیں وحی و الہام القاء و عرفان و کشف اسی میں داخل ہیں۔ اور اس میں انسانی عقل و ادراک اور قواعد و اسباب کے کسب و اکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا یہ محض الٰہی فیضان اور ربانی تعلیم ہے اسی کو سمعیات و نقلیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ انبیاء و رسل کی نسبت اسی علم سے ہے۔

بشری وہ علوم جن کا مبدء و منشا انسان کی اپنی ذات ہے۔ یعنی وہ علوم اگرچہ انسان کو قدرت کی دی ہوئی قوتِ ادراک سے ہوتے ہیں۔ مگر ان میں قدرت الٰہیہ کا وہ فیضان و ورود نہیں جو اس کے علم اور اس کے کلام کا تقاضا ہے۔ یہ علوم آلات جسمانی اور حواس خمسہ ظاہری و باطنی سے مدرک و محسوس اور معلوم و مشاہد ہوتے ہیں۔

چونکہ انسان کے پاس اس علم کے حاصل کرنے کے دو ذریعے یا واسطے اور طریقے ہیں۔ ایک حواس (ظاہری) جس میں باصرہ، سامعہ، شامہ۔ ذائقہ اور لامسہ کی قوتیں، اور سمع و بصر، ذوق و سمع، ولمس کے قویٰ و مشاعر کا کام کرتے ہیں۔ دوسرے قوتِ ادراک و تعقل۔ حواس باطنی۔ لیکن علم کے حصول کا ان دونوں سے اعلیٰ اور صحیح ترین طریقہ وہ ہے جس کو خبر صادق یا نقل و سمع کہتے ہیں۔ یہ علم حواسِ ظاہری و باطنی کے علوم و ادراکات پر غالب و محیط ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ علم اس مدبر و صانع حکیم مطلق کا علم ہے جو ماہیات و حقائق اور نفس الامری معلومات پر غالب و محیط اور اُن کا مالک و خالق ہے۔ اسی نے انسانوں کے اعلیٰ ترین مخصوص طبقہ کو جن کو انبیاء و رسل کہا جاتا ہے اپنا یہ علم بتایا اور سکھایا ہے۔ یہ خاص درجہ علم کے کمال کا درجہ ہے جو انبیاء و رسل کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے اور پھر عام صلحاء و مومنین کا حسب مراتب عقل و فہم ذہنیت و استعداد، علم آلہی پر انسان کی تمام ذمہ داریوں اور شرعی احکام کی تعمیل کا دارومدار ہوتا ہے اسی ذمہ داری کو زبانِ شرع میں "تکلیف" کہتے ہیں۔ خدا کا کلام اور اس کے معانی دنیا کی ان نعمتوں میں جو انسان کو عطا ہوئی ہیں بہترین اور اعلیٰ ترین نعمتیں ہیں۔ حقانی علوم اور شرعی تعلیمات ان ہی سے وابستہ ہیں

عادت اللہ اور ارادۂ الٰہی عالم کے تمام امور میں ایک خاص نظم و تنظیم سے جاری ہے اور ایک امر محکم اور اصولِ مستقیم پر یہ تمام سلسلہ قائم دیا اور اسی ایک مرکزی محور پر گھوم رہا ہے۔ کلام اللہ اور اس کے مطالب و مفاہیم بھی اسی نظم و ضبط اور معقول و مستحکم طریق پر ہیں۔ ان کے فہم و علم اور اخذ و حصول کے لئے سلیم عقل۔ صحیح سلیقے اور ذوق انسانی کے مناسب حال تربیت کی ضرورت و احتیاج ہوتی ہے جو انبیاء و رسل کی سیرت اور ان کے اقوال و افعال و احوال سے حاصل ہوتی ہے۔

دنیا کے پیدا کرنے سے خدا کا مقصد یہ ہے کہ انسان خدا کی معرفت حاصل کرے اور اس کی معرفت حاصل کر کے اس کی عبادت کرے اور اس کی مرضی کے مطابق کام کرے۔ اور دنیا کی تمام اشیاء انسان کی اطاعت و خدمت کے لئے اور اس کے نفع و اعانت کے لئے وجود میں لائی گئی ہیں۔ معرفت و عبادت کا طریقہ جو انسان کے مناسبِ حال اور لائقِ شان طریقہ ہو حسب آیات و نصوص وہ ہے جو خدا نے انسان کی طبیعت اور استعداد و فطرت میں رکھ دیا ہے۔ انسانوں میں معرفتِ ربانی اور عبادتِ الٰہی کا ظہور انبیاء و رسل اور اُن کے صحیفوں اور کتابوں کے ذریعے ہوا ہے۔ اگر انبیاء و رسل اور ان کی کتابیں اور صحیفے نہ ہوتے تو انسان معرفت و عبادت کے طریقوں سے واقف نہ ہوتے اور نہ راہِ معرفت و عبادت پر مستقیم ہو سکتے۔ انسان کی پیدائش کا مقصد خدا کی معرفت و عبادت اور اس مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ کتاب اور نبی و رسول ہے۔ قیامت تک اس دور کی آخری اور کامل کتاب قرآن مجید اور آخری نبی سید الموجودات ہادی عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نص صریح ہے۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيَاتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔ اور اسی آیتِ پاک کی گویا تفسیر ہے اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ (موطا، مشکوٰۃ) آیتِ پاک کا ترجمہ یہ ہے کہ اے دنیا کے لوگو اور تمام انسانو! تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کر سکتے ہو، حالانکہ تم کو اللہ کی آیتیں پڑھکر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔ اور حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ہادیِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے دنیا کے انسانو! میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ ان دونوں کو تم جب تک مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت" انبیاء و رسل اور کتب و صحائف کی تعلیم شریعت الٰہیہ ہے اور یہی حکمت حقہ ہے۔ کتب و صحائف میں الٰہی معرفت و علم ہوتا ہے اور

اس الٰہی معرفت و علم کی عملی صورت، انبیاء و رسل کی سیرت اور اُن کے اقوال و افعال و احوال ہوتے ہیں۔ جو حکمتِ حقہ کہلاتی ہے۔ اسلام میں۔ قرآن مجید اور سنتِ نبوی[۵۱]۔ ان دونوں چیزوں کو دنیا کے آخر اور قیامت تک، انسانوں کی ہدایت کا سرچشمہ بنایا گیا ہے

کتاب اللہ تنِ دین ہے، اور سنّت ہے شرح اس کی

تمسک ان کا جان و دل سے لازم ہے ہر انسان کو

اس حکمتِ حقہ اور شریعتِ الٰہیہ میں کوئی فرق نہیں اور یہ حکمت، شریعت کے مخالف و متضاد نہیں بلکہ دونوں ایک ہیں اور دونوں کا مقصود بھی ایک یعنی حق تعالےٰ کی معرفت و عبادت۔ یہی معرفت و عبادت اگر وحی و الہام سے حاصل ہو علم کے درجہ میں ہو تو رسالت و نبوّت ہے اور اگر کسب و سلوک سے حاصل ہو سعی و عمل سے حاصل ہو تو حکمت۔ "یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ۔ یعنی شرائع اور اس کے اسرار و حکم کی تعلیم و تفہیم، سیرت نبوی اور اسوہ حسنہ نبویہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ (علیٰ صاحبها الصلوٰة والسلام

رؤس ثمانیہ | وہ آٹھ باتیں جن کو دوسرے علوم و فنون میں مقصد سے قبل ذکر کیا جاتا ہے اس علم میں حسب تفصیل ذیل ذکر کیجاتی ہیں۔

۱۔ غرض خاص۔ یعنی اس علم کے حاصل کرنے میں کیا خاص فائدہ ہے۔ تاکہ یہ علم حاصل کرنے والے کی نظر میں بیکار نہ معلوم ہو، علم تفسیر کی خاص غرض یہ ہے کہ قرآن مجید اور نظم کلام اللہ کے معانی و مطالب سے ہر انسان معرفتِ تامہ اور علم کامل حاصل کرکے دنیا کی زندگی میں فلاح یاب اور آخرت میں سعادتِ حقیقی کے ساتھ کامیاب ہو سکے۔

۲۔ منفعت عام۔ یعنی اس علم کا عمومی فائدہ جس کی وجہ سے عام انسانوں کی طبیعتوں کو اس علم کے حاصل کرنے کا شوق اور اس کی تحصیل میں مشقت برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہو۔

اس علم کی منفعتِ عام یہ ہے کہ ہر انسان اپنی دینی و دنیاوی ذمہ داریوں کو اپنے فرائضِ زندگی کو قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں صحیح طریقہ پر ادا کر سکے۔ برائیوں سے بچ سکے۔ بھلائیوں اور خوبیوں سے متصف ہو سکے۔ دنیا اور دین دونوں کو بگڑنے سے بچالے اور دُنیا و آخرت میں فلاح پاکر دائمی مسرت اور ابدی راحت سے ہمکنار ہو جس کے لئے تفسیر و تاویل کلام اللہ

---

[۵۱] یعنی۔ شریعت الٰہی اور حکمت حقانی۔ ۱۲۔

کا سمجھنا اور معلوم کرنا کسی نہ کسی صورت سے ضروری ہو۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی دی ہوئی قوتِ عقلی و عملی کو اس کے کلام او اس کے بتائے اور سکھائے ہوئے اصول و تعلیمات کے مطابق کام میں لائیں

۳ ۔عنوان کتاب' یا 'عنوان علم ۔جس سے اس کتاب یا علم کے مضامین کا اجمالی علم اور فی الجملہ بصیرت ہو۔

(الف) عنوان کتاب کے اعتبار سے قرآن مجید انذار و تبشیر اور ان کے اصل اصول یعنی توحید کی کتاب ہو جیسا کہ سورہ کہف کی ابتدائی چند آیات سے ثابت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۝ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝

ماحصل یہ ہے کہ قرآن پاک خود بتلاتا ہے

سب تعریفیں اسی اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے اپنے خاص اور مقرب بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب اتاری، جس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں ہے اور نہ کسی قسم کی افراط تفریط ہے جس کی تعلیم نہایت معتدل، صحیح اور ہر زمانہ، ہر رنگ اور ہر طبیعت کے مناسب ہے ۔ یہ کتاب کجی سے خالی' پہلی آسمانی کتابوں کی اصولی تعلیم' کی تصدیق کرنے والی اور اُن کو دنیا میں قائم کرنے والی ہے ۔ یہ کتاب اس سخت آفت سے جو دنیا یا آخرت میں انسانوں پر آنے والی ہے ـــــ آگاہ اور خبردار کرتی ہے ۔ اور ایمان لانے والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں دائمی خوشی اور ابدی راحت کی خوش خبری دیتی ہے اور جو لوگ خدا کی توحید اور اس پاک ذات کی شانِ تنزیہ و تشبیہ میں بدیہی البطلان باتیں کہتے ہیں اُن کو ڈر سناتی اور خوف دلاتی ہے ۔

(ب) اور عنوان علم کے اعتبار سے قرآن مجید "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ" ۔ اور "اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝ کی نصوصِ صریحہ کی بنا، پر مخلوق کو جہالت کی ظلمت سے نکال کر علم کی روشنی میں لانے والا ۔ انسانوں کو اُن کی جسمانی و روحانی ہدایات دینے والا ۔ خیر و شر، برائی بھلائی ۔ نیکی بدی' ہدایت و ضلالت ایمان و کفر اور دنیا و آخرت کی تمام باتوں کو صاف اور واضح طور پر بتلانے والا ہے ۔ گویا کتاب اور علم دونوں اعتبار سے قرآن مجید کا اولین مقصد انسانوں کو صراط مستقیم پر چلانا ۔ معتدل اور متوسط راہ پر قائم کرنا ۔ اور اس مقدس نورانی کلام کے ذریعہ ہر مرد و عورت اور ہر ناری کو اپنی صفتِ علم و نورانیت کا مظہر بنانا ہے تاکہ دنیا میں فلاح

اور آخرت میں نجات سے بہرہ ور ہو جائیں۔ علم قرآن میں "توحید" ام العلوم ہے اور انذار و تبشیر - ڈرانا اور خوشخبری دینا۔ یا تعمیلِ امر و نواہی، احکام شرعیہ اور حکمت حقانیہ اس کی طویل الذیل اور کثیر الشیوع شاخیں ہیں۔ قرآن مجید کا اساسی مقصد علم و تعلیم، اور قرآن مجید کی تلاوت، اس کا فہم اور اس پر عمل یہ اس اساسی مقصد کے کامل کرنے والے اجزاء و فروع۔ ایک دوسرے پر موقوف و مبنی۔ علم و تعلیم اور تلاوت و فہم کا اصل مقصد عمل اور صرف عمل ہے۔ حضرت خواجہ فضیلؒ بن عیاضؒ جو چشتیہ بزرگوں کے سرتاج اور حضرات محدثین کرام کے نزدیک بہایت مستند و معتمد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ " قرآن مجید اوّل سے لیکر آخر تک اللہ کا کلام اور تمام کا تمام ہماری طرف اس کا پاک پیغام ہے۔ ہمارے لئے دنیا کے مصائب میں اس سے بڑھ کر اور کونسی مصیبت ہو سکتی ہے کہ ہم اس پاک کلام اور پیغام کو دن رات پڑھیں اور اُس پر عمل نہ کریں "

(آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام سے جن امور کے متعلق پرسش ہوگی قرآن مجید والوں اور اس کے محافظوں سے بھی ان ہی باتوں کے متعلق سوال ہوگا۔ کیونکہ قرآن مجید کے پڑھنے والوں کو حکم یہ ہے کہ اس کے کسی حکم میں کوتاہی اور سستی نہ کریں۔ تمام احکام پر دل و جان سے عمل کریں)

(اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن پاک کا مرتبہ یہ نہیں ہے اور یہ کتاب اس درجہ کی نہیں ہے کہ اس کا پڑھنے والا اور حفظ کرنے والا اللہ کی نافرمانی اور گناہ کرے اور اُس پر عمل نہ کرے۔ قرآن پاک کا ہر ایک لفظ بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ۔ اے انسان۔ تجھے تیرے پیدا کرنے والے کا واسطہ۔ جب تو نے مجھے پڑھا اور حفظ کیا تو اب میری مخالفت نہ کر۔ اس لئے قرآن پڑھنے والے اور حافظِ قرآن کو مناسب نہیں کہ وہ غافل اور لاابالی لوگوں کے ساتھ لہو و لعب اور واہیات و خرافات میں شریک ہو۔)

(آپ کے صاحبزادے خواجہ علیؒ بن فضیلؒ کہتے ہیں کہ۔ قرآن مجید سے فقط تلاوت مقصود نہیں بلکہ عمل اور صرف عمل مقصود ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے اور اس کو ختم کر کے خوش ہو جاتا ہے لیکن اس کے نصائح و زواجر اور بصائر و عبر میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی اپنے نفس کا مواخذہ نہیں کرتا۔ خود آپکی کیفیت قرآن پاک کی تلاوت کے وقت یہ ہوتی تھی کہ جب آپ تلاوت کرتے تو اس قدر روتے کہ سورت کو ختم نہیں کر سکتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آدمی قرآن شریف پڑھے اور تلاوت کے وقت اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں پر آنسو نہ بہائے وہ محروم رہے
(باقی)